

دُور مت نکل جانا



فاخرہ بتول

فہرست

۱۱	دور مت نکل جانا	-۱
۱۲	یا اللہ	-۲
۱۴	یا محمدؐ	-۳
۱۶	یا علیؑ	-۴
۱۸	مقدر پھر سے آڑے آ گیا نا	-۵
۲۰	بتول اور ”اس“ کے مابین مکالمہ	-۶
۲۲	ہو گئی ان سے ملاقات گھڑی بھر کے لیے	-۷
۲۴	یہی تو تم سے کہا تھا جاناں	-۸
۲۶	جزیرہ مت کہو اس کو	-۹
۲۷	جواشک پلکوں پہ آ گئے تھے	-۱۰
۲۹	خدا کی ذات سے پہلے تمہارا نام لیا	-۱۱
۳۲	تمہیں یہ کس نے کہا تھا جاناں!	-۱۲
۳۳	پتھر بدست ہم کو یہاں ہر بشر ملا	-۱۳
۳۵	رابطے اور بھی بڑھتے ہی گئے	-۱۴
۳۷	محبت خواب جیسی ہے	-۱۵
۳۸	محبت سانچہ کر دے	-۱۶
۳۹	فلک سے چاند اترنے کا انتظار نہ کر	-۱۷
۴۱	میں سوئی تھی	-۱۸
۴۳	اب راکھ اڑ رہی ہے دھواں خواب ہو گئے	-۱۹

۸۴	خودکشی	-۴۲
۸۶	انتباہ	-۴۳
۸۷	کسی کے ساتھ چاہت ہوگئی تو کیا کرو گے تم	-۴۴
۸۸	محبت جرم سرزد ہو گیا مجھ سے سزا لکھ دو	-۴۵
۹۰	شعر میں نہیں کہتی	-۴۶
۹۳	شجر شجر پہ جو جال ہوگا	-۴۷
۹۵	خوابوں کی تعبیر کو مٹی کر دو گے	-۴۸
۹۶	مشورہ	-۴۹
۹۷	خیال رکھنا	-۵۰
۹۹	ابھی بھی وقت ہے	-۵۱
۱۰۰	فراق صدیوں پہ چھا گیا نا وہی ہونا	-۵۲
۱۰۲	مرے اجنبی	-۵۳
۱۰۴	تم کو کیا نہیں معلوم.....؟	-۵۴
۱۰۶	وصال چپ چاپ مر گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو	-۵۵
۱۰۷	خواب پلکوں میں جگانے کی بھی مہلت نہیں دی	-۵۶
۱۰۷	بارشوں کے موسم میں	-۵۷
۱۰۹	ہجر بڑھتا گیا.....	-۵۸
۱۱۰	ہوا کو تھکڑی کس نے لگا دی ہے؟	-۵۹
۱۱۳	دور دور رخ منانے بھی تو نہیں دیتا	-۶۰
۱۱۴	لکھے لکھے	-۶۱
۱۱۶	بعد تمہارے عید آئی تو.....	-۶۲
۱۱۷	محبت کر بلا اس سے	-۶۳
۱۱۹		

۴۵	کتبہ	-۲۰
۴۶	تم تو پت جھڑ کے پتوں کی.....	-۲۱
۴۷	یہ دل گہرا سمندر ہے	-۲۲
۴۹	تم زمانے کو آزمانے دو	-۲۳
۵۳	وہ جا چکا ہے مگر.....	-۲۴
۵۵	وصال کا بھی کوئی اہتمام کر ڈالو	-۲۵
۵۷	ابھی سے خواب جزیروں سے اتنا ڈرتے ہو	-۲۶
۵۸	محبت میں کبھی.....	-۲۷
۶۰	سوچ لینا	-۲۸
۶۱	چاہت روگ بنا لینے دو	-۲۹
۶۳	عجیب تھا وہ.....	-۳۰
۶۵	وفا مشروط ہوتی ہے	-۳۱
۶۷	زوال کو بھی نظر میں رکھنا	-۳۲
۶۸	دھواں دھواں سا ان آنکھوں میں خواب دہنے دو	-۳۳
۷۱	مری آنکھیں مجھے لادو	-۳۴
۷۳	اگرچہ خواب تھا.....	-۳۵
۷۴	اس سے پہلے.....	-۳۶
۷۵	زندگی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی	-۳۷
۷۷	تم امین ہوا اس کی.....	-۳۸
۷۹	سنجھل جاؤ	-۳۹
۸۱	یقین ٹوٹ گیا تو بحال پھر نہ ہوا	-۴۰
۸۳	ٹیلی پیٹھی	-۴۱

دُورمت نکل جانا

سوچا تھا اب کم از کم پانچ سال بعد آپ کو کتاب کا تحفہ دوں گی۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی اپنے پبلشر جناب نذیر صاحب کی جانب سے اور وطن اور بیرون وطن سے سیکڑوں خطوط، ٹیلی فون کالز اور ای میل پیغامات کے ذریعے دباؤ ڈالا گیا کہ اب نئی کتاب آ جانی چاہئے۔ لہذا آپ سب کے حکم کی تعمیل ”دُورمت نکل جانا“ کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ کتاب چھپوا لینا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہوتی۔ اصل بات علم و ادب سے تعلق رکھنے والے طبقے تک اس کی رسائی ہے اور میں اگر یہ کہوں کہ ”خزینہء علم و ادب“ یہ کام بخوبی سرانجام دے رہا ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اہم مرحلہ کتاب کی پذیرائی کا ہوتا ہے۔ اللہ اور بیچ تن پاک کا احسان ہے کہ تاحال مجھے اس مسئلے سے دو چار نہیں ہونا پڑا۔ قارئین میرے کلام کی اس قدر حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ میرے پبلشر جناب نذیر صاحب کو بھی کہنا پڑ گیا کہ فاخرہ بتول! آپ پر پروردگار کا خاص کرم ہے۔ میں اس میں یہ اضافہ کروں گی کہ اس کے ساتھ ساتھ میرے قارئین کی ڈھیروں دعاؤں کا بھی میری کامیابی میں پورا پورا ہاتھ ہے۔ یقین کیجیے دوستوں کے خطوط اور ای میل پیغامات پڑھ کر اکثر میری پلکیں بھیگ بھیگ جاتی ہیں۔ میں ان تمام دوستوں کی شکر گزار ہوں۔ ان سب کی خدمت میں ”دُورمت نکل جانا“ پیش کرتی ہوں۔ زندگی میں تو یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دوسری صورت میں دعاؤں اور یادوں میں زندہ رکھیے گا۔ والسلام

فاخرہ بتول

یکم فروری ۲۰۰۲ء

- ۶۴- اس اضطراب میں حد سے گزر بھی سکتے تھے
- ۶۵- بنیاد بل گئی تو مکاں بن کے مٹ گیا
- ۶۶- پانیوں پہ مت لکھو.....
- ۶۷- محبت تو محبت ہے
- ۶۸- پریت کی ریت
- ۶۹- وہ نیلا سا سہاں کہیں پیچھے رہ گیا
- ۷۰- اداسیوں کا کوئی شہر بھی بسا ڈالو
- ۷۱- چڑھے ہوئے تھے جو دریا اگر اتر جاتے
- ۷۲- راگھ کریدانہ کرو
- ۷۳- آگہی
- ۷۴- صحاب جلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے
- ۷۵- ابھی سے کس لیے پتھر اٹھائے ہو؟
- ۷۶- جلد باز
- ۷۷- عشق بے اختیار کر بیٹھے
- ۷۸- دست صبا سے پھول کی تصویر اڑ گئی
- ۷۹- کبھی تو پوچھ لو
- ۸۰- ووا نکھیں.....
- ۸۱- جب بھی اس کی گلی کو جاتے ہیں
- ۸۲- نصاب عشق میں
- ۸۳- تلاش کرتے ہوئے دُورمت نکل جانا

میں ڈھونڈوں چاروں اور تجھے
 کبھی آتما کے اس گہرے گھور سمندر میں
 کبھی مسجد میں، کبھی مندر میں
 کبھی دشت کھنگالے ریت کے ذروں میں ڈھونڈا
 کبھی جنگل کے ہر بُوٹے، ٹہنی، پتوں سے جا کر پوچھا
 تراپتہ، ٹھکانہ کون کہے
 مرے سچے، سوہنے سائیں تُو
 اس من مور کھ کو طور بنا
 مرے ماتھے پر سینڈ ور لگا
 مری چُیزی کو رنگا کر دے
 میں پیت کی اگنی میں جل کر، کُنڈن نہ بنوں تو راکھ بنوں
 جگ کچھ بھی نہیں، سب کچھ بھی نہیں
 میں کچھ بھی نہیں، بس سائیں تُو
 ہے چاروں طرف بس ہو ہی ہو

یا اللہ
 مرے سچے، سوہنے سائیں سُن
 تُو اول بھی تو آخر بھی
 ہے بھیتر میں بھی ظاہر بھی
 مرے من کی اتھری ہوک بھی تُو
 ہونٹوں سے لپٹی کوک بھی تُو
 مرا گیت بھی تو سنگیت بھی تُو
 مرا ٹھرا سانول، میت بھی تُو

یا محمدؐ

صلی اللہ کا ورد کروں پل میں لاکھ بار
عرفاں کی رفعتوں کے اے بے مثل تاجدار

قرآن ہے صیغہ تو تفسیر آپؐ ہیں
اسلام کے ظہور کی تنویر آپؐ ہیں
اور راز کن کے آپؐ فقط آپؐ راز دار
عرفاں کی رفعتوں کے اے بے مثل تاجدار

ڈھارس کے واسطے تجھے عمرانؑ مل گیا
کردار میں تو پورا ہی قرآن مل گیا
سارے نبیؑ ولی ترے قدموں پہ ہیں نثار
عرفاں کی رفعتوں کے اے بے مثل تاجدار

چادر کے نیچے آ گئے یہ پانچ نور جب
حق نے کہا کہ ہو گیا میرا ظہور اب
پنج تن کی عظمتوں کا ہے شاہد وہ کردگار
عرفاں کی رفعتوں کے اے بے مثل تاجدار

دست خدا سے دست خدا کو عطا ہوئی
اک وار پہ جہاں کی عبادت فدا ہوئی
مولا کے ہاتھ سے ملی مولا کو ذوالفقار
عرفاں کی رفعتوں کے اے بے مثل تاجدار

تکتا ہے رشک سے ترے گھر کو سدا فلک
اس کا طواف کرنے کو آتا ہے ہر ملک
خلدِ بریں کو آپؐ کی چوکھٹ پہ دیں گے وار
عرفاں کی رفعتوں کے اے بے مثل تاجدار

یا علیؑ

تیری ادائے حرب کا شاہد رسولؐ ہے
خوشبو حسنؑ حسینؑ ہیں، عترت بتولؑ ہے
مُشکل میں ہر نبی نے ہمیشہ کہا علیؑ
مُشکل کُشا ہے اور مرا پیشوا علیؑ
بدر و حنین، خیبر و خندق کی شان تُو
ہر معرکے میں فتح کا عنوان، آن تُو
ہجرت کی شب رسولؐ کے بستر پہ تھا علیؑ
مُشکل کُشا ہے اور مرا پیشوا علیؑ
مولودِ کعبہ دوشِ نبیؐ کا سوار تُو
جس کی ہر اک ادا پہ ہیں مرسل نثار تُو
عرفاں کے ہر خزینے کا مالک مرا علیؑ
مُشکل کُشا ہے اور مرا پیشوا علیؑ

کون و مکاں کا شاہدِ اول بنا علیؑ
قُدرت کے اپنے نور سے پیدا ہوا علیؑ
مُشکل کُشا ہے اور مرا پیشوا بھی ہے
مومن کی دھڑکنوں کی ہے ہر پل صدا علیؑ
تو شیر کردگار ہے اور حق کا نور ہے
پھر سے تری جھلک کا طلب گار طور ہے
اب بھی نصیری کہتے ہیں ان کا خدا علیؑ
مُشکل کُشا ہے اور مرا پیشوا علیؑ
زہرا کے سر کا تاج ہے اور ذی وقار ہے
تخفہ خدا کا خاص، تری ذوالفقار ہے
وارثِ نبیؐ کے علم کا حق کی دُعا علیؑ
مُشکل کُشا ہے اور مرا پیشوا علیؑ



مقدّر پھر سے آڑے آ گیا نا
گلاب اس بار بھی مُرجھا گیا نا
کہا بھی تھا کہ پلکیں موندنا مت
کسی کا خواب پھر چوڑکا گیا نا

بھلا بیٹھے تھے جس کو تم اچانک
پھر اگلے موڑ پر ٹکرا گیا نا

مری حالت پہ تم حیرت زدہ تھے
تمہیں بھی دشت آخر بھا گیا نا

ذرا بھی پاؤں میں لرزش نہیں ہے
ہمیں کانٹوں پہ چلنا آ گیا نا

اُسے جاتے ہوئے دیکھا ہی کیوں تھا
وہ منظر آنکھ میں پتھرا گیا نا
وہی ملنا، پچھڑنا، ٹوٹ جانا
کہانی وقت پھر دہرا گیا نا
محبت اس جہاں کی شے نہیں ہے
سمجھ میں اب تمہاری آ گیا نا
سوا نیزے پہ سورج آ گیا ہے
شجر کا وہ گھنا سایہ گیا نا
کہا تھا ہجر پلکوں سے نہ چُنا
اماں آنکھ میں ٹھہرا گیا نا
بتول آخر یہ سر میں آ سمایا
ہمارے ہاتھ سے سودا گیا نا

(بتوآ اور ”اُس“ کے مابین مکالمہ)

بتاؤ! کیسے محبتوں کا خیال آیا؟

بتوآ! جس پل نظر میں تیرا جمال آیا

بتاؤ! دل کو کسی نے چوما تو کس طرح سے؟

بتوآ! اُس کے لبوں کو جس پل کمال آیا

بتاؤ! ہونٹوں پہ بات آ کر پلٹ گئی کیوں؟

بتوآ! سوچوں میں گنگناتا سوال آیا

بتاؤ! تعبیر میری آنکھوں میں کیوں جگا دی؟

بتوآ! سپنے کسی کے دامن میں ڈال آیا

بتاؤ! موجوں میں بے قراری سی کس لیے ہے؟

بتوآ! لگتا ہے پھر سمندر میں جال آیا

بتاؤ! لوگوں نے ساری حالت جو بھانپ لی تو؟

بتوآ! دل سے تمام خدشے نکال آیا

محوِ رقصاں رہا پیروں کے تلے نیل گنگن
اُس نے ہاتھوں میں لیا ہاتھ گھڑی بھر کے لیے
راستہ جس کا کئی صدیوں سے دیکھا تھا بتوّل
آ کے ٹھہری نہ وہی رات گھڑی بھر کے لیے



ہو گئی اُن سے ملاقات گھڑی بھر کے لیے
آنکھوں آنکھوں میں ہوئی بات گھڑی بھر کے لیے
زندگی بھر کے لیے جیت پرانی ٹھہری
ہم نے سوچا تھا ہوئی مات گھڑی بھر کے لیے
ایسا محسوس ہوا دو نے اکائی اوڑھی
ہو گئی ذات میں گم ذات گھڑی بھر کے لیے
عمر بھر کے لیے کانٹوں نے پذیرائی کی
ان گلابوں نے دیا ساتھ گھڑی بھر کے لیے

بغیر خوشبو گلاب جیسے

کہا نہیں تھا وہ شہر آ سیب ہے تم اُس کی طرف نہ جاؤ
وہاں تو خوابوں کا خون کر کے بھی لوگ نیندوں سے کھیلتے ہیں
وہاں تو جذبوں کی فصل پکنے کی دیر ہے بس...
کھڑے کھڑے ہی زمانہ اس کا خراج مانگے
وہاں کا آئین ہے ازل سے کوئی بھی جذبہ محبتوں کا پنپ نہ پائے
تم آج زخموں کے اس خزانے کو

اپنے ہاتھوں کی تھالیوں میں سجائے حیرت زدہ سے کیوں ہو؟
تمہاری آنکھوں کی پتلیوں میں لکھا ہوا یہ عذاب کیوں ہے؟
گہن زدہ سا محبتوں کا بتاؤ یہ آفتاب کیوں ہے؟

یہی تو تم سے کہا تھا جاناں!
وہ شہر آ سیب ہے تم اُس کی طرف نہ جاؤ

یہی تو تم سے کہا تھا جاناں!

کہا نہیں تھا وہ شہر آ سیب ہے تم اُس کی طرف نہ جاؤ
وہاں یہ روحوں کو برف جسموں میں
دفن کرنے کی رسم صدیوں سے چل رہی ہے
وہاں پہ آنکھیں حنوط کر کے بھی لوگ سڑکوں پہ گھومتے ہیں
وہاں تو سینوں میں پتھروں کے ہیں دل مقید
جو دھڑکنوں سے ہیں ایسے عاری
بنا حقیقت سراب جیسے

جزیرہ مت کہو اس کو...



یہ دل جذبوں کا مسکن ہے

جزیرہ مت کہو اس کو

یہ جذبے خوشبوؤں، رنگوں کو لے کر

دھڑکنوں میں پھول بنتے ہیں

یہ جذبے ان چھوئے احساس جیسے ہیں

کسی کا ہونے اور اپنا بنانے کی انوکھی پیاس جیسے ہیں

یہ دل جذبوں کا مسکن ہے جزیرہ مت کہو اس کو

تمہیں معلوم ہے اکثر جزیرہ ڈوب جاتا ہے

جو اشک پلکوں پہ آگئے تھے سنبھال دیتے

جو ضبط کرنا ہی تھا تو اس کو کمال دیتے

تمہارے آنگنِ فلک سے چندا اتر کے آتا

تم اپنے دل کی زمین کو جو اجال دیتے

محبّتوں کے سُردر سے آشنائی ہوتی

جو واہموں کو تم اپنے دل سے نکال دیتے

مری طرح سے جو دل گنوا کے بھی جی رہا ہو

تم اس طرح کی جہاں میں کوئی مثال دیتے

گلاب چُنتے ہوئے گلابی نہ ہاتھ کرتے
 جو سارے کانٹوں کو میری جھولی میں ڈال دیتے
 وہ جس میں کلیوں سے آکے بھنورے چرائیں خوشبو
 وصال کا بھی وہ دن مہینہ وہ سال دیتے
 بتول دامن کو جو بھگوتے ہی بچھ گئے ہیں
 ستارے پلکوں پہ روشنی بے مثال دیتے



خدا کی ذات سے پہلے تمہارا نام لیا
 ہر ایک بات سے پہلے تمہارا نام لیا
 نکل نہ جائے کہیں تیرگی تمہارا نام
 سو ہم نے رات سے پہلے تمہارا نام لیا
 تمہارا نام ہر اک معجزے کا باعث ہے
 سو معجزات سے پہلے تمہارا نام لیا
 تمہارے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے لیا لیکن
 تمہارے ہاتھ سے پہلے تمہارا نام لیا
 ہمیں خبر ہے کہ اب جیت کا نہیں امکاں
 لو ہم نے مات سے پہلے تمہارا نام لیا

کبھی گلابوں کی پتیوں کی سنی کراہیں
کبھی بکھرتی سی کہکشاں کو
نظر نظر سے چُنا ہے تم نے
کسی کے ہونٹوں پہ آ کے مرتی ہوئی دعا کو سنا ہے تم نے
تمہیں خبر ہے؟

کسی کے آنچل پہ ڈھیروں وعدے لکھے تھے تم نے
کسی کی پلکوں پہ جگنوؤں کو بکھیرا ایسے
کہ اُس کے چہرے پہ صبح کر دی
کسی کی آنکھوں میں خواب لکھے
لبوں پہ اُس کے گلاب لکھے
مگر مقدر سراب لکھے
وفا کی جاگیر تم کو سو نپی ہمارے دل نے
تو کیا ملا پھر

ہمیں سے چہرہ چھپا لیا ہے؟

تمہیں یہ کس نے کہا تھا جاناں!

اُتر کے خاموش، ٹھہرے ٹھہرے اُداس گہرے
سمندروں میں اُتر کے دیکھا
تمام موجوں سے جا کے پوچھا پتہ تمہارا
مگر پلٹ کے کہیں سے کوئی صدا نہ آئی
فلک کے ساتوں ہی سائبانوں کو چھو کے دیکھا
جھلستے صحرا کی ریت سانسوں سے چھان کر بھی
تمہاری خوشبو نہ ہاتھ آئی

کسی نے بھی تو نہیں بتایا کہ تم کہاں ہو کہ تم کہاں ہو
سُنو کبھی سیپیوں کی دھڑکن کو چھو کے دیکھا

تمہیں یہ کس نے کہا تھا مٹی کو اوڑھ لو تم؟

تمہیں یہ کس نے کہا تھا دل کے تمام رشتوں کو توڑ دو تم؟

یوں چھوڑ جانے کا حق تمہیں ہم نے کب دیا تھا

ہمیں بھلانے کا حق تمہیں ہم نے کب دیا تھا



پتھر بدست ہم کو یہاں ہر بشر ملا

خود کو مٹا دیا تو کہیں جا کے گھر ملا

اوروں کی ذات سے اسے نسبت ہے اس قدر

وہ رازدار ہم سے سدا بے خبر ملا

صحرا کا ابر کے لیے برسوں کیا طواف

آنکھیں وضو ہی کر سکیں بس اس قدر ملا

کچھ تو سمندروں میں اُترنا محال تھا

اور راستے کی دھول میں کس کو گھر ملا

منزل ملی نہ رات کی چادر سمٹ سکی
بُجھتا ہوا سا دیپ ہمیں ڈھونڈ کر ملا

اور آخرش وہ سو گیا پلکوں کو موند کر
اک بھیگتا سا خواب ہمیں خاک پر ملا

دل کا سنکون ہم نے گنوا تو دیا بتوآ
اک لازوال کرب مسلسل مگر ملا



رابطے اور بھی بڑھتے ہی گئے

رتجگے اور بھی بڑھتے ہی گئے

اُس کی قربت کافسوں جاگا تو

فاصلے اور بھی بڑھتے ہی گئے

بالمقابل ہوئی منزل تو کھلا

راستے اور بھی بڑھتے ہی گئے

لاکھ چاہا کہ سُبجھتے لیکن

مسئلے اور بھی بڑھتے ہی گئے

محبت خواب جیسی ہے

محبت ہے کسی نادیدہ سی زنجیر کی صورت
بدن سے جو لپٹ کر
اس کی آزادی کو دیمک کی طرح سے چاٹ لیتی ہے
محبت ہے سزا جیسی
سزا بھی وہ جو مٹی کی لحد تک ساتھ دیتی ہے
محبت وصل سے مشروط مت جانو
ازل سے فرقوں کے باب جیسی ہے
محبت خواب جیسی ہے

جس قدر ان کا مداوا ڈھونڈا
آبلے اور بھی بڑھتے ہی گئے
راہزن تھک گئے رفتہ رفتہ
قافلے اور بھی بڑھتے ہی گئے
ٹوٹ جاتے تو بھرم رہ جاتا
سلسلے اور بھی بڑھتے ہی گئے
باہمی ربط جو گھٹتا ہی گیا
تو رگلے اور بھی بڑھتے ہی گئے
مات پر مات کا انجام بتو آ
حوصلے اور بھی بڑھتے ہی گئے

محبت سانحہ کردے

ہمارے درمیاں قائم ہے جو

اس ربط کو کیا نام دو گے تم؟

ذرا سوچو،

اڑل سے ہی زمانہ چاہتوں کے درد سے نا آشنا ٹھہرا

لغت میں اس کی خوشبو سا کوئی بھی لفظ

شامل ہی نہیں جاناں!

یہ جب چاہے ملن کے رنگ میں

آ کر جدائی گھول دیتا ہے

اُجالے کو یہ جب چاہے سیہ کردے

ستاروں کو فنا کردے

محبت سانحہ کردے



فلک سے چاند اُترنے کا انتظار نہ کر

تو چھت پہ بیٹھ کے تاروں کو اب شمار نہ کر

کسی پرندے کا چھوٹا سا گھونسلہ ہے یہاں

ہوا سے کہہ دے کہ شاخوں کو بے قرار نہ کر

رفو گری کا اگر فن تجھے نہیں آتا

گلاب ہاتھ میں لے کر تو تار تار نہ کر

عدو کا کام ہے وہ ہی کرے تو بہتر ہے

یوں اپنے ہاتھ سے اپنا نصیب دار نہ کر

میں سوہنی تھی

کہانی آج مدت بعد میری انگلیوں کی نرم پوروں پر

رُکی اور مجھ سے یہ پوچھا

سکھی، تجھ سے جو تھوڑا وقت مانگوں تو مجھے دے گی؟

کہا، میں نے سہیلی! خیر سے آئی ہوں تم

تو وقت کیا یہ زندگی لے لو

کہانی دھیرے دھیرے سوچ کے کچھ چور رستوں سے

لہو میں اس طرح اترنی، میں اپنے ہوش کھو بیٹھی

کہانی یوں ہوئی گویا

اگر تپا گھڑا ہو تو کنارہ مل نہیں سکتا

سکھی، تو سوہنی ہے سوہنی کو ڈوب جانا ہے

پھر اس نے کچھ توقف سے کہا مجھ سے

محبت دو جزیروں پر کھڑی حیران خوشبو ہے

دھواں کہیں کا کہیں یہ اڑائے پھرتی ہیں

ہواؤں کو کبھی بھولے سے رازدار نہ کر

محبتوں کی تو فطرت ہے دل لہو کرنا

بس ایک بار بہت ہے تُو بار بار نہ کر

بتو کہ دے کہ انجام جیت کا بھی ہے ہار

تو جیت چھین کے میرے سپرد ہار نہ کر

وہ خوشبو جس کو اک دو بجے کو چھونے کی اجازت مل نہیں سکتی
سکھی، تو آگہی والی ہے، جذبوں کی توقیدی بن گئی کیسے؟

کہا میں نے، سہیلی، لاکھ چاہا میں نے بچ جاؤں
محبت ایک دلدل کی طرح، چاروں طرف مجھ کو دکھائی دی
وہ دلدل پھیلتی ہی جا رہی تھی میری ہر جانب

یہاں تک کہ مری آنکھیں بھی اس نے چھین لیں مجھ سے
ذرا سوچو، اگر میں بچ بھی جاتی تو کہاں جاتی
قدم میں نے اٹھایا اور مڑ کر پھر نہیں دیکھا
محبت میں نے کب کی یہ تو سرزد ہو گئی مجھ سے
مسلط کی گئی مجھ پر

کہانی سُن کے ساری داستاں بولی، چلو چھوڑو
مقدر کی نفی کرنا کہاں آسان ہوتا ہے
سکھی، تو سوہنی تھی، سوہنی کو ڈوب جانا تھا
اگر کچا گھڑا ہو تو کنارہ مل نہیں سکتا



اب راکھ اڑ رہی ہے دھواں خواب ہو گئے
آنکھوں میں تیرگی ہے دھواں خواب ہو گئے
ہونٹوں پہ تھک کے سو گئی اظہار کی مہک
سانسوں میں بیسکلی ہے دھواں خواب ہو گئے
ہم نے سنا تھا ہوتے ہیں جیون کا عکس خواب
اب کیسی زندگی ہے دھواں خواب ہو گئے
آنکھیں کسی خمار سے بوجھل تھیں کل تلک
کیا بات ہو گئی ہے دھواں خواب ہو گئے

بارش کی بوند بوند پہ لکھا تھا جس کا نام
اُس شخص کی کمی ہے دھواں خواب ہو گئے

کیا دُور آ گیا ہے کہ پلکیں سُلگ اُٹھیں
کیسی ہوا چلی ہے دھواں خواب ہو گئے

سازش ہے موسموں کی کہ قسمت کا دوش ہے
جب بھی کلی کھلی ہے دھواں خواب ہو گئے

پلکیں جھپک جھپک کے بھی اب ڈھونڈنے سے کیا
جب آنکھ کھل گئی ہے دھواں خواب ہو گئے

ان کی وجہ سے جی کا زیاں ہو گیا بتوّل
اِس بات کی خوشی ہے دھواں خواب ہو گئے

کتبہ

سُنو یہاں رُک کر صدا مت دو

صدیوں سے جاگنے والے کو

ابھی ابھی بڑی مشکل سے نیند آئی ہے

اور اور تمہارے پُکارنے پر اگر اُس کی آنکھ کھل گئی تو؟

تو تم پت جھڑ کے پتوں کی.....

تو تم پت جھڑ کے پتوں کی صدائیں روز سنتے ہو؟

صدائیں مت کہو ان کو کراہیں ہیں

کراہوں میں چھپے آنسو ہیں اور ان میں لہو دل کا

مگر تم کو کسی بھی دل سے کیا لینا

چلو پت جھڑ کے پتوں کی صدائیں سن تولیں تم نے

مگر جس دل کو پت جھڑ کر دیا تم نے

بنا سوچ، بنا سمجھے بنا جانے

تمہیں اس ”زرد پتے“ کی صدائیں کیوں نہیں آتیں؟

تم اس کا قتل کر کے بھی ابھی تک شاد بیٹھے ہو

تمہیں اپنے روئے پر تمہیں اس دو غلے پن پر نہیں حیرت

تو حیرت ہے

تو تم پت جھڑ کے پتوں کی صدائیں روز سنتے ہو؟

یہ دل گہرا سمندر ہے

یہ دل گہرا سمندر ہے

اور اس میں ایک جزیرہ ہے محبت نام ہے جس کا

ستاروں کی طرح روشن، دمکتا، مسکراتا

خوشبوؤں رنگوں میں ڈوبا، نیلگوں، کلیوں کے آنچل سا

سرابوں کی طرح سے بھی

ہم اس کو مٹھیوں میں قید کر سکتے نہیں ہرگز

وہ تتلی کی طرح سے انگلیوں کی سرد پوروں کو

دھنک سا کر تو دیتا ہے

مگر کچھ دیر میں خواہش کے ساحل پر پڑی

گیلی سی، ٹھنڈی ریت جیسا بن بھی جاتا ہے

ہواؤں کی طرح سے ہم بھی اس کو چھو تو سکتے ہیں

مگر کوئی تعلق دیر پا قائم کبھی بھی کر نہیں سکتے

سنو جاناں! جو تم سے بن پڑے تو اپنی آنکھوں میں

ادھورے خواب کا منظر بنانا تم

گلابوں سے ہمیشہ رنگ اور خوشبو چرانا تم

اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ہے

یہ دل گہرا سمندر ہے اور اس میں اک جزیرہ ہے

محبت نام ہے جس کا



تم زمانے کو آزمانے دو

میں ہوں تنہا تو کیا زمانے دو؟

مری آنکھوں میں ڈوب کر دیکھو

ہوش آتا نہیں تو جانے دو

ہجر مانا پہاڑ جیسا ہے

بوجھ تنہا مجھے اٹھانے دو

تا کہ تم بھی منا سکو آ کر

اب مجھے بھی تو روٹھ جانے دو

ٹوٹ جانے پہ ٹوٹ جاؤ گے

یوں تعلق کو مت بڑھانے دو

تیرگی کچھ تو کم ہوئی ان سے

تم ستاروں کو جھلملانے دو

کل فقیروں کو تاج چومے گا

بادشاہی کا گرُ تو آنے دو

راستے آزما بھی سکتے ہیں

تم نہ پیروں کو ڈمگانے دو

ایک میں اور ہیں مقابل تین

ایک وہ اور ہیں بہانے دو

بے وفائی پہ لوگ روتے ہیں

مجھ کو ہنس کر یہ چوٹ کھانے دو

خوشبوؤں کے نہ راستے روکو

کوئی پیغام ان کو لانے دو

یا تو کہہ دو کہ رات باقی ہے

یا چراغوں کو تم بجھانے دو

یا اندھیروں سے دوستی کر لو

یا کوئی دیپ ہی جلانے دو

عدل ہونا ضرور ہونا ہے

اب کے زنجیر تو ہلانے دو

دو اگر اور درد باقی ہے

مجھ کو احسان یہ اُٹھانے دو

ساتھ دل کے یقین ٹوٹے گا

تیر تو ایک ہے نشانے دو

وہ جاچکا ہے مگر.....

وہ جاچکا ہے مگر ابھی تک

فضاؤں میں اُس کا دھیمالہجہ رچا ہوا ہے

اسی کی سانسوں کی خوشبوؤں سے

ہمارا دامن بھرا ہوا ہے

ہمارے دل میں اُسی کی چاہت بسی ہوئی ہے

بدن کی ساری کتاب اُس کی ہی انگلیوں سے لکھی ہوئی ہے

وہ جب ملے تو اُسے یہ کہنا

کسی کی آنکھوں کی پٹلیوں میں تمہاری تصویر رہ گئی ہے

جو ہو سکے تو مٹا دواس کو

جو دل کے برہم میں گیت تم نے جگا دیا تھا

تمہارے جاتے ہی سو گیا ہے

اب ملے ہو تو اس طرح سے ملو

دوست جیسے ملیں پُرانے دو

خواب آنکھوں میں سو رہے ہیں بتو

ان میں تعبیر اب جگانے دو

کسی کے ہاتھوں کے جال میں تم نے اپنے ہونٹوں سے جو لکھا تھا

وہ لفظ پل بھر میں کھو گیا ہے

وہ جاچکا ہے اگر تو اب تک

یہ چاند شب بھر ہماری چھت پر

کیوں آ کے اُس کا نشان ڈھونڈے

اُسی کی بابت سوال پوچھے

جواب ہم سے نہ بن پڑے تو

وہ اپنی کرنوں کی سیڑھیوں کو ہماری پلکوں کے ساتھ رکھ کر

ستارے ان میں اتارتا ہے

وہ جاچکا ہے تو کیوں ہے اب بھی

نفس نفس میں خمار اُس کا

نظرِ نظر میں ڈگر ڈگر پر لکھا ہے کیوں انتظار اُس کا

وہ جاچکا ہے مگر ابھی تک.....



وصال کا بھی کوئی اہتمام کر ڈالو

محبتوں میں اب اتنا تو کام کر ڈالو

اب اپنے پاس کوئی شے نہیں لٹانے کو

یہ چند سانسیں ہیں ان کو تمام کر ڈالو

چلے تو جاؤ مگر وقت پر پلٹ آنا

کہیں نہ ایسا ہو رستے میں شام کر ڈالو

بکھرنے لگتی ہیں سانسیں تمہارے لہجے سے

سمیٹنے کا انہیں انتظام کر ڈالو



مُتاعِ دل ہے تمہاری اگر یہ جاہ و حشم
تو تم وفا کو فقط میرے نام کر ڈالو

بھلا فضا میں کہاں تک اڑیں گی تعبیریں
اب ان پرندوں کو تم زیرِ دام کر ڈالو

ابھی سے خواب جزیروں سے اتنا ڈرتے ہو
ابھی سے مُٹھی میں پاگل ہوائیں بھرتے دو
اس آئینے میں ہوئے گم ہزار ہا چہرے
اُتر کے اس میں کسے تم تلاش کرتے ہو؟

گلاب رُت کو کیا زرد تم نے آہوں سے
ہوا پہ کس لیے الزام اس کا دھرتے ہو

یہ دل تو اس سے بھی گہرا ہے جھانک لو آ کر
سمندروں میں بھلا کس لیے اُترتے ہو

تم اپنے پیروں کے رستے بناؤ ہاتھوں سے
پرانی راہ سے کس واسطے گزرتے ہو

سمجھ آتا ہے اس لمحے

کہ جب دامن میں لاکھوں چھید ہو جائیں

کبوتر کے پروں کے ساتھ لپٹے

سب عیاں جب بھید ہو جائیں

محبت میں کبھی ”دورائے“ کا امکان نہیں ہوتا

یہ ہوتی ہے تو ہوتی ہے

نہیں ہوتی تو جتنا بھی جتن کر لو، نہیں ہوتی

محبت میں کبھی.....

محبت میں کبھی ”دورائے“ کا امکان نہیں ہوتا

یہ ہوتی ہے تو ہوتی ہے

نہیں ہوتی تو جتنا بھی جتن کر لو، نہیں ہوتی

کوئی اچھا اگر لگ جائے تو سب خامیاں اس کی

اچانک خوبیوں کی اور ہنسی میں چھپ سی جاتی ہیں

زمانہ لاکھ سمجھائے، سنبھل جاؤ

سماعت اور بصارت کو بٹھائی کچھ نہیں دیتا



سوچ لینا

وصال لمحوں کی یاد تم کو اگر ستائے تو سوچ لینا

تو سوچ لینا

کہ کوئی اب تک وصال لمحوں کی روشنی کو

لرزتی پلکوں کے ساتھ باندھے

تمہارے وعدوں کی دار چھو کر بھی جی رہا ہے

چاہت روگ بنا لینے دو

پلکوں بیچ چھپا لینے دو

کل اپنے ہی کام آئے گی

کچھ تو دھوپ بچا لینے دو

خوشیاں ساری تم رکھ لینا

مجھ کو درد کما لینے دو

بادل جان گنوا بیٹھے گا

سورج سے ٹکرا لینے دو

پھول بنیں گی تب جائیں گی
کلیوں کو اٹھلا لینے دو

بعد میں دوش کسی کو دینا
پہلے آگ بھجا لینے دو

دیکھنا اب کے کیا ہوتا ہے
تم زنجیر ہلا لینے دو

بعد میں تم تعبیر سُلانا
پہلے خواب جگا لینے دو

عجیب تھا وہ.....

وہ اپنی سانسوں کو مجتمع کر کے
دھیرے دھیرے سے کہہ رہا تھا
سُنو کسی نے کسی زمانے میں ہاتھ پڑھ کر مجھے کہا تھا
تمہارے جیون کی شام آنے کو ہوگی جس پل
تو دھڑکنیں تم پہ بار ہوں گی
مگر اچانک

تمہیں محبت ملے گی گہرا یقین بن کر
میں جب سے تم سے ملا ہوں جاناں!
یہ دل مسلسل گواہی دیتا ہے تم وہی ہو
وہ تم ہو جس کی جنم جنم سے مجھے طلب تھی

اب آگئی ہو تو، چھوڑ کر تم چلی نہ جانا!
 گواہ تو سینے میں دھڑکنیں ہیں گنی چُنی سی
 چراغ بجھنے کو آگیا ہے
 یقین رکھنا، ہر ایک دھڑکن میں صرف تم ہو
 وہ آج مٹی میں سو گیا ہے بہت ہی تھک کر
 بتول کتنا عجیب تھا وہ
 میں آگئی تو چلا گیا وہ

وفا مشروط ہوتی ہے

محبت میں محبت ہی ہمیشہ شرط ہوتی ہے
 مگر کہتے ہیں کچھ ضمنی سی شرطیں بھی ضروری ہیں
 کوئی وعدہ کرو تو دل کی دھرتی پر لکھو اس کو
 جگر سے روشنائی لو
 قلم جذبوں کا تھا مو اور دھڑکن سے گواہی لو
 یہ جاں جائے مگر وعدے پہ کوئی آنچ نہ آئے
 محبت کے سفر میں پہلی سیڑھی پر

ہمیشہ سے خسارہ پہلے سے تیار ملتا ہے
 اور اُنکلی تھام کر چلتا ہے جب تک سانس باقی ہے
 محبت کرنے والے مڑ کے دیکھا ہی نہیں کرتے
 محبت کرنے والے تھک بھی جائیں تو نہیں رکتے
 بھلے سے پیروں کے چھالے، دہکتی ریت سلگائے
 سوانیزے پہ سورج آن اُترے اور جھلسائے
 کہ ان کے بالمقابل تو دہکتا طور ہوتا ہے
 محبت تو بہت انمول موتی ہے مگر اس میں
 وفا مشروط ہوتی ہے

زوال کو بھی نظر میں رکھنا

اگر ہے خواہش، محبتوں کا کمال دیکھو
 زوال کو بھی نظر میں رکھنا
 وگرنہ پھولوں سی زندگی میں
 خزاں نے ڈیرے جما لیے تو
 تمہارے پیروں میں آبلوں کی بہار ہوگی
 زوال کو بھی نظر میں رکھنا

ہمیں بھی دشت سے پڑنا ہے واسطہ کل کو

ہمارے سر پہ ذرا سا سحاب رہنے دو

کسی کی پلکوں پہ بکھری سی کہکشاں چومو

ہماری آنکھوں میں سمٹا حباب رہنے دو

نہ جانے کون سے لمحے کوئی پلٹ آئے

کُھلا ہوا ہے اگر دل کا باب رہنے دو

اب اپنی یاد کی خوشبو بھی ہم سے چھینو گے؟

کتاب دل میں یہ سوکھا گلاب رہنے دو

محبّتوں کا ادھورا سا سلسلہ ہی سہی

ہماری نظروں کے آگے سراب رہنے دو

وصال پل کی یہ خوشبو بکھر بھی سکتی ہے

فراق لمحوں کا اُلجھا حساب رہنے دو



دھواں دھواں سا ان آنکھوں میں خواب رہنے دو

ہماری ذات میں پھیلا عذاب رہنے دو

جُھکی سی پلکوں پہ جذبوں کی لولر زتی ہے

حیا کا نظروں کے آگے نقاب رہنے دو

وفا کو کھیل سمجھنے کی ضد ہے کیوں تم کو

سوال سامنے رکھو جواب رہنے دو

پھر اس کے بعد تمہیں اور کچھ نہ بھائے گا

ہمارے چہرے کو دیکھو کتاب رہنے دو

محبّتوں کی تجارت سے ہم کو کیا لینا

فقط خسارہ ہے اس میں جناب! رہنے دو

ملے ہو آج تو ملنا نصیب کر ڈالو

پچھڑ کے ملتا ہے کتنا ثواب رہنے دو

بتول جانے دو اس میں کسی کا دوش نہیں

یہ دل ازل سے ہے خانہ خراب رہنے دو

مری آنکھیں مجھے لادو

مری آنکھیں مجھے لادو

میں ان سے چھو کے دیکھوں گی جہاں کے سارے رنگوں کو

فلک سے کہکشاں نظروں ہی نظروں میں اُتاروں گی

گلابوں سے چرا کے رنگ چہرے کو نکھاروں گی

میں دیکھوں گی وچھوڑا کس طرح ماتھے پہ لکھتا ہے لکیروں کو

محبت بادشہ کرتی ہے کس طرح فقیروں کو

ملن کس طرح آنکھوں میں ستارے آن بھرتا ہے

میں دیکھوں گی کوئی روتا ہے تو پلکوں سے موتی کیسے گرتے ہیں

کوئی بے ساختہ ہنس دے تو ہونٹوں پر

کسی کے کس طرح پل میں

گلابی پھول کھلتے ہیں

میں دیکھوں گی کہ کیوں ہے رات کی رانی کو سانپوں سے

شکایت سی

بھلا بھنورے سے کلیاں کس طرح دامن چھڑاتی ہیں

بھلا پھولوں سے مل کے تتلیاں کیوں کھوسی جاتی ہیں

یہ سارے بھید کس نے لکھ دیے دھرتی کے سینے پر

مری خواہش ہے سارے موسموں کو اپنی پلکوں سے

چُنوں جاناں!

چلو تعبیر تم رکھ لو

مجھے جگنو سا ہی کوئی لرزتا خواب دکھلا دو

مری آنکھیں مجھے لا دو

اگر چہ خواب تھا.....

گلابوں کو کبھی چھونا کبھی خوشبو سا بن جانا

اور آنکھوں کی منڈیروں پر

چمکتے جگنوؤں کو وصل کی تصویر دکھلانا

اور اس میں گم سا ہو جانا

اگر چہ خواب تھا لیکن ہمیں تعبیر لگتا تھا



- زندگی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

بے دلی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

- اُس کے چہرے کو جو دیکھا تو نظر جھک سی گئی

بندگی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

کیا کلی سے کہا بھنورے نے سمٹی ہی گئی

بے خودی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

- اُس نے اک بار کہا، جگنو سی آنکھوں والی

روشنی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

اس سے پہلے.....

اس سے پہلے کہ آنکھ کھل جائے

آ کے ہونٹوں سے میری آنکھوں پر

کوئی انمول خواب لکھ جاؤ

مرا چہرہ گلاب لکھ جاؤ

بعد میں آ کے اپنے ہاتھوں سے

مراجیون سراب لکھ جاؤ

تم امین ہو اس کی.....

لڑکیو! کتاب بدن ڈھانپ ڈھانپ کر رکھنا
اس کے سارے لفظوں کو سینت سینت کر رکھنا
اس کو غیر ہاتھوں کے لمس سے کبھی بھی تم آشنا نہیں کرنا
باخبری نظروں سے بے خبر ہی رکھنا ہے
اور اپنی آنکھوں کو کھول کر ہی رکھنا ہے
اس کتاب پر لکھے جو بھی لفظ ہیں ان کی
اپنی اپنی حرمت ہے اپنی اپنی طاقت ہے
دیکھو ان کی حرمت پر حرف آنے مت دینا
اور ان کی طاقت کو تم گنوا نے مت دینا
امتزاج ہے اس کے سرورق پہ رنگوں کا
اور سارے رنگوں کی اپنی اپنی بولی ہے

کھول کر مٹھی دکھائی مجھے اُس نے جس پل
آگہی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی
چوم کر پھول کو جب شوخ صبا لہرائی
تازگی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی
- جس قدر اس کو زمانے نے مٹانا چاہا
عاشقی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی
- یاد خوشبو کی طرح رچ گئی سانسوں میں مرے
بے کلی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی
دل لگانے کا ہنر کم ہوا رفتہ رفتہ
دل لگی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی
تم نے چاہت کی ردا اوڑھ لی جس لمحے بتوّل
دلکشی اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

انتساب اس کا تم اپنے نام رہنے دو

ہر حساب اس کا تم اپنے نام رہنے دو

گویہ کام مشکل ہے

ضبط اس میں لازم ہے

اس میں بارہا تم کو

اس طرح کے لمحوں سے واسطہ بھی پڑتا ہے

جو خرد کے دشمن ہیں

اس طرح کے لمحوں میں

یہ کتاب پُر زووں میں

بٹ گئی تو کیا ہوگا؟

یہ جو اس کی حرمت ہے، یہ جو اس کی طاقت ہے

لٹ گئی تو کیا ہوگا، گھٹ گئی تو کیا ہوگا

دیکھو، یہ امانت ہے

تم امین ہو اس کی، تم امین ہو اس کی.....

سنجھ جاؤ.....

چراغوں کا ہواؤں سے

تصادم ہو گیا تو کیا کرو گے تم

ابھی بھی وقت ہے جاناں!

سنجھ جاؤ.....



آنکھوں میں انتظار کے لمحے ٹھہر گئے
ہم ضبط میں کمال کی حد سے گزر گئے

انجام اب کی بار بھی چوکھٹ پہ ثبت تھا
جانا نہیں تھا در پہ ترے ہم مگر گئے

ہم کو خبر تھی ڈوب کے بچنا محال ہے
کس واسطے خوشی سے بھنور میں اتر گئے

پہلے بھی کرچیاں ہی لگی تھیں ہمارے ہاتھ
کیوں خواب سر زمین پہ بازو گر گئے

کچھ تیلیوں پہ رہ گئے لکھے ہوئے بتول
کتنے ہی خواب پلکوں پہ آ کر بکھر گئے



یقین ٹوٹ گیا تو بحال پھر نہ ہوا
یہ وہ زوال ہے جس کو کمال پھر نہ ہوا

وصال کا جو ملے ایک پل غنیمت ہے
جو کھو گیا تو یہ سمجھو وصال پھر نہ ہوا

بس ایک بار کسی رو میں اُس کو سوچا تھا
اس آئینے میں دھڑکتا خیال پھر نہ ہوا

تلاشتے ہی رہو گے عبث ملے گا نہیں
جو اپنی مٹھی سے نکلا وہ سال پھر نہ ہوا

گو ابتدا میں تو ہم بھی بکھر بکھر سے گئے
ہاں اس کے بعد ہمیں بھی ملال پھر نہ ہوا

قدم قدم پہ مسیحا ہزار ہا دیکھے
یہ اور بات کہ ”عیسیٰ مثال“ پھر نہ ہوا

جو دل کی مٹی کو چھو کر گلاب کر ڈالے
ہنروروں میں کوئی باکمال پھر نہ ہوا

کسی کی آنکھوں میں ایسا جواب لکھا تھا
بتول ہونٹوں سے کوئی سوال پھر نہ ہوا

”ٹیلی پیٹھی“

اُس کی غیر موجودگی میں
اُس سے گفتگو کرنے کا تجربہ بالکل نیا تھا
نیا اور انوکھا
لیکن مجھے واقعی بہت اچھا لگا

بدن کو چندن اور پیشانی کو مہتاب کیا
 اُس کی زلفیں ناگن جیسی ہر نی جیسی چال
 مدھرتا اور سندر تا میں اس کی کون مثال
 ماتھے پر کرنوں کے قلم سے لکھے گئے تھے بھاگ
 اور گلے میں ساتوں ہی سُر مل جل کے بنے تھے راگ
 وہ ناری تھی آگ سکھی ری وہ ناری تھی آگ
 جب سے پیتم چھوڑ گیا وہ مجھ کر بن گئی راکھ
 وہ ناری تھی آگ سکھی ری وہ ناری تھی آگ

”خودکشی“

پہلے تو فنکار نے اُس بُت کو صدیوں تک سوچا
 پھر چھو کر دونوں ہاتھوں سے اک شہکار کیا
 میدے میں سینہ ور ملایا دودھ اور شہد سے گوندھا
 کو ملتا کلیوں کی چُن کر ساری اُس میں بھردی
 حُسن کی دولت ساری گویا اُس کے حوالے کر دی
 ستواں ناک تو ترشے ہوئے یا قوت بنائے ہوئے
 ہونٹوں پر بھیگی بھیگی مُسکان سجائی خاص
 گورے گورے گالوں کو پھر سرخ گلاب کیا



کسی کے ساتھ چاہت ہو گئی تو کیا کرو گے تم
جفا سہنے کی عادت ہو گئی تو کیا کرو گے تم

ابھی تنہا، اُفق کے پار ساری رات تکتے ہو
ستاروں سے شکایت ہو گئی تو کیا کرو گے تم

ابھی چاہت گنوا دینے کی ضد تم کو ہے شدت سے
اگر پانے کی حسرت ہو گئی تو کیا کرو گے تم

ابھی تو ساحلوں پہ گھومنے سے جی بہلتا ہے
سمندر سے بھی وحشت ہو گئی تو کیا کرو گے تم

ابھی خوشیوں کے پر باندھے ہوئے محو سفر ہو تم
جو پیدا غم میں لذت ہو گئی تو کیا کرو گے تم

”انتباہ“

میرے سر پر یقین کا آنچل

ڈال کر بے وفانہ ہو جانا

پھر سے مجھ سے جُدا نہ ہو جانا

○

محبّت جرم سرزد ہو گیا مجھ سے سزا لکھ دو
 شریک جرم لیکن کس طرح سے بچ گیا لکھ دو
 مجھے اس تیرگی میں کچھ بھائی ہی نہیں دیتا
 تم ان پلکوں پہ کوئی ٹٹماتا سا دیا لکھ دو
 زباں کو ازبِ جنبش ہی نہیں روکوں تمہیں کیسے
 مری آنکھوں میں کوئی بھگتی سی التجا لکھ دو
 نصابِ دل میں تم نے یوں تو سب کچھ لکھ دیا لیکن
 جگر سے روشنائی لے کے اب اس میں وفا لکھ دو

تمہاری آنکھ میں اپنا مقدر پڑھ لیا میں نے
 اسے میری جبین پر بھی تم آ کر اب ذرا لکھ دو

یہ پھیلے تو زمین و آسماں کی وسعتیں کم ہیں
 سمیٹو ایک نکتے میں تو دل کو کربلا لکھ دو

خدا بھی رد کرے تو ایک لمحے کے لیے سوچے
 بتوّل اپنے لبوں پر تم کوئی ایسی دعا لکھ دو

شعر میں نہیں کہتی

شعر میں نہیں کہتی

شعر مجھ کو کہتا ہے

اور جب یہ کہتا ہے اک جہان سُنتا ہے

ذاتی کاوشوں سے کوئی

شعر کہہ نہیں سکتا

اور کڑی ریاضت بھی

شعر، شاعری، شاعر، کب بنا سکی سوچو

یا تو کوئی شاعر ہے

یا نہیں ہے اور ان کے درمیان کچھ بھی نہیں

شعر میں نہیں کہتی ہاں میں شعر سو جتنی ہوں

اور شعر جب سر زدِ مجھ سے ہونے لگتا ہے

کھنچ کے جیسے جاں ساری، ان لبوں پہ آتی ہے

آگ سی رگِ جاں میں گویا بھری جاتی ہے

جانکنی کے عالم کو رُوح چھوٹنے لگتی ہے

اور نفسِ نفس میں عجب آندھیاں سی چلتی ہیں

نظم ہو کہ کوئی غزل

اپنے اپنے چہرے کو اپنے خال و خد سارے

اپنے سارے امکانات

سب لوازمات اپنے ساتھ لے کے آتی ہے

اور یہ خوشبوئیں ساری

ایک خاص حالت میں، منفرد سی صورت میں

فاخرہ لبادے میں، ذہن کے درتچے میں

خود اُبھر کے آتی ہیں

خود نکھر کے آتی ہیں، بن سنور کے آتی ہیں

اور قلم سے کاغذ کو معتبر بناتی ہیں
باہر بناتی ہیں

منزلوں کی جانب اک رہگذر بناتی ہیں
بے خبر پرندوں کو موسموں کی سازش سے باخبر بناتی ہیں
اپنے سارے لفظوں کو

سب دریدہ روخوں کا چارہ گر بناتی ہیں
شعر میں نہیں کہتی شعر مجھ کو کہتا ہے



شجر شجر پہ جو جال ہوگا
تو پنچھیوں کا زوال ہوگا
ستارہ مٹی میں گم ہوا تو
تمہیں بھی اس کا ملال ہوگا
وفا کی مٹی کو چھو کے دیکھو
ہمارے جیسا ہی حال ہوگا
محبّتوں میں انا رکاوٹ
زوال اس کا کمال ہوگا

جواب تم سے جو گم ہوا ہے

کوئی تو ایسا سوال ہوگا

جو بیچ رستے میں ٹوٹ جائے

وہ ربط کیسے بحال ہوگا

فراق رُت کی گھٹن ہے باقی

تو سانس لینا محال ہوگا

بتوّل دل جو لہو لہو ہو

تو رنگ آنکھوں کا لال ہوگا



خوابوں کی تعبیر کو مٹی کر دو گے

تم اپنی تصویر کو مٹی کر دو گے

رانجھا رانجھا کرنے کی یہ ہوک بُری

لگتا ہے اس ہیر کو مٹی کر دو گے

پتھر بن کر خوشبو سے ٹکرائے تو

سونے سی تحریر کو مٹی کر دو گے

سُن کر نہ سُننے کا حیلہ کر کے تم

لفظوں کی زنجیر کو مٹی کر دو گے

دل کی کُنخی پتھر ہاتھوں میں دے کر

چاہت کی جاگیر کو مٹی کر دو گے

خیال رکھنا.....

تو تم نے طے کر لیا ہے جاناں!

کہ اب مناسب یہی ہے منزل کی خواہشوں کو
مٹا ہی ڈالیں

زمانے کی بھی یہی خوشی ہے

اسی روش میں ہی زندگی ہے

سُنو زمانے کو دوش دینے کی رسم فرسودہ ہو چکی ہے

تم اپنے دل سے کلام کر کے بھی پوچھ لینا

کہ اس کے آدرش کیا ہیں

ابھی زمانے نے تم سے منزل کی آس چھینی

تو کل یہ تم سے کہے گا رستہ ہی چھوڑ دو تم

کہے گا چہرے سے اپنی آنکھوں کو نوچ لو تم

کہے گا پتھر کے بُت میں دھڑکن تلاش کر دو

مشورہ

کتابوں میں کبھی تتلی کو تم محبوس مت کرنا

وگرنہ مٹھیوں میں خواب روئیں گے

اور آنکھوں کے دریچوں پر

کسی دستک کو ترسو گے

سنو جاناں!

کتابوں میں کبھی تتلی کو تم محبوس مت کرنا

تو کیا کرو گے؟

چلو یہ نہ بھی کہے تو اتنا ہی تم سے کہہ دے

کہ سانس لینا فضول ہے اب

تم اس ریاضت کو بھول جاؤ

تم اپنی سانسوں کو قتل کیسے کرو گے بولو؟

سُنو زمانے کو دوش دینے کی رسم فرسودہ ہو چکی ہے

تم اصل میں وہ سپاہی ہو، عین لڑنے کے وقت جس کو

خیال آئے

کہ جنگ کرنے کے سب طریقے ہیں یاد اُس کو

وہ سارے ہتھیار لے کے آیا ہے ساتھ اپنے

مگر وہ جلدی میں حوصلہ گھر میں بھرا آیا

خیال رکھنا

اساس جیون کی منزلوں سے لگن ہے جاناں!

جو تم نے اس کو گنوا دیا تو جیو گے کیسے؟

ابھی بھی وقت ہے

ابھی بھی وقت ہے

خوابوں کو تم تعبیر کر ڈالو

وفا کو اپنے ماتھے پر لکھو

تقدیر کر ڈالو

کسی کے پیار کو پیروں کی تم زنجیر کر ڈالو

جسے سمندر کہا تھا تم نے کہاں گیا وہ
 وہ تم کو آنسو رلا گیا نا وہی ہوا نا
 بتول کتنا کہا تھا اس کو مت آزماؤ
 وہ روگ پھر سے لگا گیا نا وہی ہوا نا



فراق صدیوں پہ چھا گیا نا وہی ہوا نا
 وصال لمحہ چلا گیا نا وہی ہوا نا
 کہا تھا چاہت کا وار سہہ کر جیو گے کیسے
 یہ گھاؤ اندر سے کھا گیا نا وہی ہوا نا
 مدام گردش میں دل کو رکھنے کا ہے نتیجہ
 پھر اس کی چوکھٹ پہ آ گیا نا وہی ہوا نا
 تمہیں یہ کس نے کہا تھا دن میں ہی خواب دیکھو
 وہ خواب نیندیں چُرا گیا نا وہی ہوا نا

مرے اجنبی!

وہ تھکا تھکا سا ساتھ اجنبی

سرِ راہ مجھ کو ملا تھا جو

جسے سانس لینا محال تھا

وہ جو جی رہا تھا تو یہ بھی اُس کا کمال تھا

اُسے دل کے روگ نے کر بلا سا بنا دیا

اسے خاک میں ہی ملا دیا

وہ تھکا تھکا سا ساتھ اجنبی

سرِ راہ مجھ کو ملا تھا جو وہ بچھڑ گیا

مجھے اب تلک ہے یقین کیوں

مرے اجنبی!

تُو یہیں کہیں، میرے آس پاس ہے چار سو

تری خوشبوئیں ہیں نفسِ نفسِ پہ لکھی ہوئیں

تری چاہِ دل کی زمین پر ہے کھدی ہوئی

میرے نرم ہاتھوں کی پشت پر ہیں ابھی تلک

ترے گرم ہونٹوں کی دستکیں

تری چاہتیں، میری روح پر ترا قرض ہے

مجھے کیوں یقین ہے اب تلک

جو تھکا تھکا سا ساتھ اجنبی

سرِ راہ مجھ کو ملا تھا جو، جو بچھڑ گیا

کوئی اور تھا

وہ نہیں تھا تو، کوئی اور تھا، کوئی اور تھا

تُو تو اب تلک میرے ساتھ ہے

مرے ہاتھ میں تو ابھی تلک تر ہا تھا ہے

ان کے گھر دروازے دستکوں سے انجانے
اور سماعتوں کی گلی آشناسی آہٹ سے اجنبی ہی رہتی ہے
ان کے سارے جیون میں اک کمی سی رہتی ہے
بے کلی سی رہتی ہے، تشنگی سی رہتی ہے
لڑکیو، محبت کے خواب دیکھتی کیوں ہو؟
تم کو کیا نہیں معلوم؟؟؟

تم کو کیا نہیں معلوم.....؟

لڑکیو، محبت کے خواب دیکھتی کیوں ہو؟
تم کو کیا نہیں معلوم؟

خواب دیکھنے والی جو بھی آنکھ ہوتی ہے

وہ اُداس رہتی ہے، وہ نراس رہتی ہے

آنکھ کے درپچوں میں جو چراغ رکھتے ہیں

بدگمان راتوں کا ذائقہ وہ چکھتے ہیں

ان کے دل کی راہیں بھی بے نشان رہتی ہیں

بے امان رہتی ہیں



وصال چپ چاپ مر گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو
فراق دل میں اتر گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو



وہ منزلوں کا پتہ ٹھکانہ بھلا چکا تھا
جو راستے میں پھٹ گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو

عبث لکیروں کے جال میں ڈھونڈتے ہو اس کو
نصیب پھر ہاتھ کر گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو

کہا تھا اس پر یقین تم مت بحال کرنا
وہ بات سے پھر مکر گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو

بتو! اس کا بھی حال دل کی طرح ہوا ہے
جو ابر سورج کے گھر گیا ہے اسے نہ ڈھونڈو

خواب پلکوں میں جگانے کی بھی مہلت نہیں دی
نیند سے آنکھ ملانے کی بھی مہلت نہیں دی

بعد مدت وہ ملا بھی تو گھڑی بھر کے لیے
حالِ دل اُس نے سنانے کی بھی مہلت نہیں دی

سر تھا سجدے میں ابھی اُس نے بدل ڈالا مقام
سر کو چوکھٹ سے اٹھانے کی مہلت نہ دی

اوس جم جم سی گئی آنکھ میں حیرت کی طرح
اُس نے پلکوں سے گرانے کی بھی مہلت نہیں دی

جانے کیا ہم نے سنا، سچ کا بھرم ٹوٹ گیا
دل نے پھر جھوٹے بہانے کی بھی مہلت نہیں دی
ساتھ رہتا تو تعلق کے دریچے کھلتے
وقت نے ساتھ نبھانے کی بھی مہلت نہیں دی

بارشوں کے موسم میں

ہم نے بارہا دیکھا
بارشوں کے موسم میں
پنچھیوں کی آنکھوں میں
بے حساب اندیشے
سراٹھانے لگتے ہیں

ریت کی گرتی سی دیوار میں مدفون وصال
 چونک اٹھتا تھا ذرا سی بھی جو آہٹ ہوتی
 جانے والے کو مگر لوٹ کے آنا ہی نہ تھا
 اُس کو آنا ہی اگر ہوتا تو جاتا ہی وہ کیوں؟
 اُس نے جاتے ہوئے ہاتھوں کی لکیروں پہ مرے
 اپنے ہاتھوں کے قلم سے تھی جدائی لکھی
 اپنی تحریر کو وہ آ کے مٹاتا بھی تو کیوں؟
 جاگ کر خواب نگر کون بسا سکتا ہے
 ہجر پر بت ہے اسے کون ہلا سکتا ہے
 اُس کی جانب کوئی جائے تو بتائے اُس کو
 سرخرو ہو گیا تو عہد وفا توڑ دیا
 حرزِ جاں جس کو بنانا تھا اسے چھوڑ دیا
 جس کی ناؤ کو بھنور چھوڑنے، کنارے آیا
 جس کی تقدیر میں سورج بھی اندھیرے لایا

ہجر بڑھتا گیا.....

خواب دھندلا گئے پلکوں پہ نمی جم سی گئی
 سرسراتی سی ہوائیں میرے دروازے پر
 آ کے اس زور سے ٹکرائیں کہ سانسوں کا سکوت
 اس طرح ٹوٹا کہ جیسے کوئی شیشہ یک دم
 فرش پر گرتا ہے اور اس کی صدا گونجتی ہے
 روح میں تیرے وچھوڑے نے کیے گہرے شگاف
 کرچیاں یادوں کی چبھ چبھ سی گئیں سینے میں

جس کے ہونٹوں کو سدا کے لیے زنجیر ملی

جس کی پلکوں کو سدا اشکوں کی جاگیر ملی

زرد موسم کے کیا دل کو حوالے جس نے

سی کے ہونٹوں کو ہیں ارمان نکالے جس نے

وصل نکتے میں سمٹتا گیا رفتہ رفتہ

ہجر بڑھتا گیا، بڑھتا گیا، بڑھتا ہی گیا

ہوا کو ہتھکڑی کس نے لگا دی ہے؟

کوئی کب سے درپچے سے لگا بیٹھا

کسی کی راہ تکتا ہے

کوئی جھونکا ہی آ جائے

اور آ کر اس کو بتلائے

مسافر کیوں نہیں آیا؟

مگر ہے دُور تک گمبھیر سناتا

درختوں کے توپتوں میں بھی آہٹ تک نہیں کوئی

پرندے سہمے سہمے بے صدا، حیران بیٹھے ہیں

کوئی تو آ کے بتلائے

ہوا کو ہتھکڑی کس نے لگا دی ہے؟

پیام آئے کبھی اُس کا یہ نہیں ممکن
دل اُس کے شہر کو جانے بھی تو نہیں دیتا

وہ تیرگی کا مخالف بنا تو ہے لیکن
چراغ گھر میں جلانے بھی تو نہیں دیتا

اُسی کی ذات کا ہر پل طواف کرتے ہیں
دل ہم کو اور ٹھکانے بھی تو نہیں دیتا

جو ہم پہ شرک کے فتوے لگا رہا ہے بتو آل
وہ در سے سر کو اٹھانے بھی تو نہیں دیتا



وہ زود رنج منانے بھی تو نہیں دیتا
جو دل پہ گزری بتانے بھی تو نہیں دیتا

گواہ اُس نے خار بچھائے نہیں ہیں رستے میں
مگر وہ ان کو ہٹانے بھی تو نہیں دیتا

یہ زخم اُس نے لگائے نہیں مگر سوچو
وہ ان کے داغ مٹانے بھی تو نہیں دیتا

دھیان اُس کا ہے بھی تو کس طرح سے ہٹے
وہ اپنی یاد بھلانے بھی تو نہیں دیتا

”لکھے لکھے“

نجمی! میرے ہاتھوں کی لیکروں پر
 لکھا پڑھ کر
 تمہاری آنکھ میں حیرت لکھی کس نے؟
 بتا دو جو کہانی بھی پڑھی تم نے
 چلو اتنا ہی بتلا دو
 کہانی کچھ بھی ہے، کیسی بھی ہے لیکن
 کوئی انجام ہے اس کا؟
 نجمی، کچھ تو بتلاؤ
 کوئی انجام ہے اس کا؟؟؟

بعد تمہارے عید آئی تو.....

دیکھا جاناں! بعد تمہارے عید آئی تو
 آ کے درپچوں سے ٹکرائی
 دروازے پر دستک بھی دی
 بالآخر مایوس گئی ہے
 وہ کیا جانے
 بعد تمہارے دل اور آنکھیں
 جیتے جی، تابوت میں ہم نے رکھ چھوڑے ہیں

ہونٹوں پر لکھا سناٹا

ہاتھوں اور پیروں سے ان کی

ساری شکلی چھین لی ہم نے

عید اگر آنگن میں ہمارے جھانک بھی لیتی

یہ سب دیکھ کے ڈر جانا تھا

اس نے پل میں مرجانا تھا۔

محبت کر بلا سی ہے

محبت چار حرفوں کا صحیفہ ہے

محبت ”میم“ سے ہے مرگ

”ح“ سے حادثہ بھی ہے

یہ ”ب“ سے بے کلی ہے اور ”ت“ سے تاج کانٹوں کا

اگر یہ مرگ ہے تو مرگ سے کس کو مفر سوچو

جو اس کو حادثہ جانو تو اس سے کون بچ پایا

ہے ”ب“ سے بے کلی تو بے کلی سانسوں پہ حاوی ہے

اگر ہے تاج کانٹوں کا تو جس سر پر بھی بجاتا ہے

وہ سرتن پر نہیں رہتا

بِت خون میں ڈوبا ہوا اک دشت ہے گہری اُداسی ہے

محبت ہے دعا جیسی، محبت کر بلا سی ہے



اس اضطراب میں حد سے گزر بھی سکتے تھے
غبارِ رہ کی طرح سے بکھر بھی سکتے تھے
تمہارے قدموں میں موتی بکھیرنے کے لیے
سمندروں کی تہوں میں اُتر بھی سکتے تھے
بدلتی رت میں بدلنا بھی کوئی خوبی ہے
خلاف اس کے کوئی کام کر بھی سکتے تھے
کوئی اشارہ بھی کرتا تو آسماں سے بتوّل
ستارے چُن کے زمیں پر اُتر بھی سکتے تھے



بنیاد ہل گئی تو مکاں بن کے مٹ گیا
اس بار بھی یقین گماں بن کے مٹ گیا
تعبیرِ راکھ بن کے اُڑی آنکھ میں سدا
جو خواب تھا وہ پل میں دھواں بن کے مٹ گیا
بازی پھر اب کی بار مقدر نے جیت لی
پھر چاہتوں کا ایک جہاں بن کے مٹ گیا
اک دائمی کسک سی جگر میں اُتر گئی
اور زخمِ سرمئی سا نشان بن کے مٹ گیا

ہے لازوال کربِ مسلسل کا نام ہجر

اور یہ وصال آہ و فغاں بن کے مٹ گیا

بکھری ہوئی ہیں چاروں طرف دل کی کرچیاں

لگتا ہے ایک گھر سا یہاں بن کے مٹ گیا

جذبہ بنا گلاب تو قائم رہا بتول

جوں ہی بنا یہ تیر کماں بن کے مٹ گیا

پانیوں پہ مت لکھو.....

پانیوں پہ مت لکھو

پانیوں پہ لکھنے کی عادتیں نہیں اچھی

ان پہ جو بھی لکھو گے

وصل ہو کہ فرقت ہو

درد ہو کہ لذت ہو

دامنی نہیں ہوتا

پانیوں کی تحریریں بے ثبات ہوتی ہیں

خوش گمان کرتی ہیں

بے نشان کرتی ہیں

محبت تو محبت ہے

اڑل سے ہی محبت بدگمانی اور یقیں کو ساتھ لاتی ہے
وفا جو ہو کوئی کہ بے وفا ۔

دونوں ہی صورت میں
ذرا سی بات پر پلڑا کبھی بھاری، کبھی ہلکا، کبھی یکساں
کبھی چاہت کبھی جھگڑے
کبھی اظہار پر تالے
کبھی ڈھیروں گلے شکوے
محبت کرنے والوں حوصلہ رکھو

محبت تو محبت ہے اور اس میں یہ تو ہوتا ہے
کبھی پسپا نہیں ہونا

کبھی پچھتاوا مٹھی میں نہیں رکھنا
کبھی مر کر نہیں تنکنا

زمانے کی بھی باتوں میں نہیں آنا
محبت تو محبت ہے

یہ امرت ہے کہ ہے زہر ہلا ہل اس کو چکھنا ہے
وفاؤں کا ہمیشہ مان رکھنا ہے
محبت پر سدا ایمان رکھنا ہے



وہ نیلا سائبان کہیں پیچھے رہ گیا
 لگتا ہے آسمان کہیں پیچھے رہ گیا
 موجوں میں ڈوبتی ہوئی کشتی کا رقص دیکھ
 کاغذ کا بادبان کہیں پیچھے رہ گیا
 آگے غبارِ رہ کے سوا اور کچھ نہیں
 منزل کا وہ نشان کہیں پیچھے رہ گیا
 پنچھی قفس میں سو گیا پل بھر کے واسطے
 تم کو ہوا گمان کہیں پیچھے رہ گیا
 مچھلی تڑپ کے رہ گئی بے آب، فرش پر
 شیشے کا مرتبان کہیں پیچھے رہ گیا

پریت کی ریت

سکھی، اس پریت میں ایسا ہی ہوتا ہے
 کیا کیا رام نے کیا تو نہیں واقف؟
 محبت کے عوض سیتا کو اگنی دی
 اسے وشواس کہتے ہیں؟

سکھی، اس پریت کے سو بھید ہوتے ہیں
 اور ہر اک بھید کے آگے بھی سوسورنگ، سوسوڈھنگ
 سبھی کی جانکاری کس کے بس میں ہے
 سکھی، اس پریت میں ایسا ہی ہوتا ہے
 زمانہ پیت کا بیری ازل سے ہے
 اور اپنی پیت بیرن ہے

جس پر ہمارے نام کی تختی لگی تھی کل
 لگتا ہے وہ مکان کہیں پیچھے رہ گیا
 اور اب کی بار ہم نے بھی سورج کو لکھ دیا
 بادل تھا بدگمان کہیں پیچھے رہ گیا
 حیرت کو چھو کے دل نے دھڑکنا بھلا دیا
 اور بن گیا چٹان کہیں پیچھے رہ گیا
 آگے جو قافلہ گیا رستے میں لٹ گیا
 لگتا ہے پاسبان کہیں پیچھے رہ گیا
 اب کے گلاب رُت میں بھی دیکھا نہیں گلاب
 خوشبو کا ترجمان کہیں پیچھے رہ گیا
 جب آنکھ کھل گئی تو خبر تب ہوئی بتوں
 خوابوں کا تو جہان کہیں پیچھے رہ گیا



اُداسیوں کا کوئی شہر بھی بسا ڈالو
 رہے گا نام نئی طرز کی بنا ڈالو
 جو درمیان اٹھائی ہے آ کے لوگوں نے
 وہ اپنے ہاتھوں سے دیوارِ مُتم گرا ڈالو
 لہو میں مل کے جو مُتم کو لہو رلاتی ہے
 تو ایسی یاد کا ہر حرف ہی مٹا ڈالو
 اذیتوں کے سوا ان سے کچھ نہیں حاصل
 جو خطِ سنبھال کے رکھے تھے اب جلا ڈالو

مہک گلاب کی آئے گی تم کو ہاتھوں سے
کسی کے رستے سے کانٹے اگر ہٹا ڈالو

محبّتوں کا جُدا رنگ ہے زمانے سے
تم اس میں لاکھ کئی اور رنگ ملا ڈالو

تمہارا چہرہ ہے غماز دل کے لُٹنے کا
اس آئینے پہ جو گزری ہے اب بتا ڈالو

بتول خواب پرائے تمہاری پلکوں پر
تم اپنی آنکھوں سے یہ بوجھ اب ہٹا ڈالو



چڑھے ہوئے تھے جو دریا اگر اُتر جاتے

بے آب کھیتیاں بے آبرو ہی کر جاتے

تمہارے بعد بہت دیر تک تمہیں سوچا

جو سوچتے نہ تمہیں جان سے گزر جاتے

عجیب بات ہے اثبات ہم کو لے ڈوبا

بُرا نہیں تھا اگر بات سے مُکر جاتے

تمہاری ذات میں مدغم ہماری ذات ہوئی

نفی بھی کرتے تمہاری تو ہم کدھر جاتے

یقین ہوتا اگر آ کے تم سمیٹو گے

تو زرد پتوں کی صورت میں ہم بکھر جاتے

خُرد گنوا کے بھٹکنے کی خُو ملی ہم کو

پلٹ کے ہوش میں آتے تو اپنے گھر جاتے

مجھڑ کے اس سے عجب حال ہو گیا ہے بتو

نظر سے آئینہ چھوتے تو خود سے ڈر جاتے

راکھ کُریدا نہ کرو

کیسے خوابوں کا بھرم ٹوٹ گیا پل بھر میں

کس طرح کرچیاں آنکھوں کو لہو کرتی گئیں

تھال میں سانسوں کے چنگاریاں بھر دیں کس نے

یہ کلائیائیں تری ویران سی کر دیں کس نے

کون ہاتھوں کی لکیروں کو بھسم کرتا گیا

کون ماتھے پہ وچھوڑے کو رقم کرتا گیا؟

دُھند پلکوں کے چراغوں کو بجھا ڈالے گی

یہ شغل اچھا نہیں راکھ کُریدا نہ کرو



آگہی

میری پیشانی کو تم غور سے دیکھو جاناں!

اس میں تقدیر کی تحریر دکھائی دے گی

اس میں چاہت کا کوئی لمحہ، کوئی پل بھی نہیں

”آج“ پت جھڑ ہے تو پھولوں کی طرح ”کل“ بھی نہیں

میری پیشانی کو تم غور سے دیکھو جاناں!

سحاب جلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

لہو سُلگتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

چراغ بجھنے میں پل بھر بھی تو نہیں لگتا

چراغ جلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

پتھر کے شاخ سے پل بھر میں ہو گیا پامال

گلاب پلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

ابھی تو لگتا ہے دل اب بہل نہیں سکتا

مگر بہلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

بہت ہی سہل ہے قدموں کا لڑکھڑا جانا
مگر سنبھلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

سے وصال کا روٹھا تو تب ہوا معلوم
سے بدلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

بتاؤ پیروں سے پھولوں کو روندنے والو
کہ بخت ڈھلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

گو برف جم سی گئی ہے ہماری پلکوں پر
مگر پگھلتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

بتول چن لیا صحرا تو تب کھلا جا کر
کہ ہاتھ ملتے ہوئے دیر کتنی لگتی ہے

ابھی سے کس لیے پتھر اٹھاتے ہو؟

ابھی سے کس لیے پتھر اٹھاتے ہو؟

ابھی منصفِ قلم کو تھام کر بیٹھا ہوا سوچوں میں گم صُم ہے
ابھی ملزمِ کٹہرے میں ہے لیکن اس یقیں کے ساتھ

شاید عدل کی ہو جیت اب کی بار

وکیلوں کے دلائل اور گواہوں کے بیان سب ہو چکے لیکن
ابھی منصفِ قلم میں فیصلے کو لے کے بیٹھا ہے
قلم توڑا نہیں اُس نے

ابھی کچھ مرحلے باقی ہیں اُن کو طے تو ہونے دو

یہیں ہوں میں

یہیں ہونم، مجھے سنگسار کر لینا

ابھی سے کس لیے پتھر اٹھاتے ہو؟



عشق بے اختیار کر بیٹھے
کس لیے دل فِگار کر بیٹھے

ہم نے گرداب چُن لیا آخر
لوگ دریا کو پار کر بیٹھے

اس کا انجام ہے اُجڑ جانا
جو رُوش اختیار کر بیٹھے

اور کیا امتحان باقی ہے
دل غریبُ الدیار کر بیٹھے

جلد باز

ہتھیلیوں پہ لکیریں مٹی مٹی سی ہیں کیوں؟
ذرا سی بات تھی اور اس کو پوچھنے میں بتوّل!
نہ جانے کتنے زمانے لگا دیئے اُس نے

دل سے کنکر کا اب خدا حافظ
کیوں اسے کہسار کر بیٹھے

وہ خدا ہے جناب! جب چاہے
ایک کو اک ہزار کر بیٹھے

ایک لمحے میں خار مہکا دے
اور خزاں کو بہار کر بیٹھے

اب سکوں ڈھونڈتے پھر و ہر جا
پہلے تم دل کو خوار کر بیٹھے

میری آنکھیں ہیں جن کو تم صاحب!
روند کر رہگذار کر بیٹھے

لوگ پتھر کو پوجتے ہیں بتوں
ہم بھی کانٹوں سے پیار کر بیٹھے



دستِ صبا سے پھول کی تصویر اڑ گئی
ایسی اڑی کہ خواب سے تعبیر اڑ گئی

دیکھا اُفق کے پار تو ایسے لگا مجھے
اُڑتے ہوئے پرندے کی تقدیر اڑ گئی

تم نے کہا تو ریت کو مٹھی میں بھر لیا
ایسی چلی ہوا کہ یہ جاگیر اڑ گئی

یاں مانگنے سے درد بھی ملتا نہیں کہیں
لگتا ہے اب دُعا سے بھی تاثیر اڑ گئی

پرواز کے لیے تبھی پُر توتا ہے وہ
پنچھی کے آج پیروں سے زنجیر اڑ گئی

حیرت زدہ ہوں دیکھ کے لفظوں کے پُر بتول
جوں ہی ہواؤں پر لکھا، تحریر اڑ گئی

کبھی تو پُو چھ لو

ہمارے دل کے اندر کوئی شب بھرین کرتا ہے

کبھی تو پُو چھ لو

جو اس پہ بیٹی، جو ستم ٹوٹا

ہمارے دل کے اندر کوئی شب بھرین کرتا ہے



جب بھی اُس کی گلی کو جاتے ہیں

دل کو بے اختیار پاتے ہیں

سامنے ہے ترا دیار تو کیوں

یہ قدم آج ڈگمگاتے ہیں

رتجگے بھی عجیب ہوتے ہیں

ان کے آنکھوں سے گہرے ناتے ہیں

جانے کس کا خیال آیا ہے

آپ ہی آپ مسکراتے ہیں

وہ آنکھیں.....

ستارے میرے آنکھیں کس لیے آئیں

انہیں معلوم ہے

شب بھر کسی کا راستہ دیکھا جو کرتی تھیں

وہ آنکھیں خاک اوڑھے سو گئیں کب سے

تیرگی سے ہیں خُوب واقف وہ
چاند بن کر جو جگمگاتے ہیں
کوئی بھی بات ہو کسی کی ہو
روگ اپنے ہی یاد آتے ہیں

لے کے گیلی سی ریت ہاتھوں میں
جا کے ساحل پہ گھر بناتے ہیں
تاکہ سجدہ وہ کر سکیں ان کو
لوگ ہاتھوں سے بُت بناتے ہیں
سب نے چہرہ ترا چرایا ہے
ہم کوئی پھول بھی اٹھاتے ہیں
اس کا کردار اوڑھ لیتے ہیں
لوگ جب داستان سناتے ہیں
ہم کو معلوم ہے جو ہونا ہے
آپ کیوں حوصلے بڑھاتے ہیں
خوب ادراک ہے ہمیں اپنا
جائیے کیوں ہمیں بناتے ہیں

نصابِ عشق میں.....

نصابِ عشق میں اک لازمی مضمون ہوتا تھا
وفا عنوان تھا جس کا

بہت مشکل تھا اس کو یاد رکھنا اور

بھلا دینا نہیں آسان تھا جس کا

مگر اس دُور میں مضمون اب یہ اختیاری ہے

بہت مشکل ہے اس کو یاد رکھنا اور

بھلا دینا بہت آسان ہے جس کا

نصابِ عشق میں اک لازمی مضمون ہوتا تھا



تلاش کرتے ہوئے دُور مت نکل جانا

یونہی بھٹکتے ہوئے دُور مت نکل جانا

قیاس ہے وہ سرِ راہ تُم کو مل جائے

یہ آس رکھتے ہوئے دُور مت نکل جانا

پلٹ کے آنے کا پھر اختیار ڈھونڈو گے

سے کے ڈھلتے ہوئے دُور مت نکل جانا

چراغُ بجھتے ہوئے دیرِ کتنی لگتی ہے

جلنے چراغ اگر دُور مت نکل جانا

محبّتوں کا تو تریاق ہی نہیں ممکن
یہ زہر چکھتے ہوئے دُور مت نکل جانا

وِصالِ خواب ہے تم اس کو خواب رہنے دو
یہ خواب تکتے ہوئے دُور مت نکل جانا

وفا کی رُت کو ملا ہے کبھی ثبات کہیں؟
یہ رُت بدلتے ہوئے دُور مت نکل جانا

یہاں سے آگے تو خاروں کے سلسلے ہیں بتوّل
گلاب چُنتے ہوئے دُور مت نکل جانا